مُحمّد رسول اللہِ والذین معہٗ
ج کرینگے

رُحماءُ بینھُم

م/ع
کافروں پر غالب و قاہر تھے اصحاب رسول رض
کیا ہوئے مقہور انکے مرتضےٰ زوج بتول رض
گھر جلا بیٹا مرا بیوی بھی زخمی ہو گئی۔
جو صفت تھی بینھم رحماء کی سب کھو گئی
کرنہ ہتکِ حرمتِ شبیرِ خدا اے رافضی
ہو مہنِ قرآن بن کر دور کر دل سے کجی

الحمدللہ کہ رسالہ نمبر ٣٠

الموسوم بہ

دفعِ طعنِ رافضہ فی احراقِ بابِ فاطمہ رض

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رض کی خانہ سوزی کا قصہ محض افترائے روافض ہے اور یہ کہ اُن کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ حضرت علی رض اور دیگر آئمہ کو حُبّ کے لباس میں اور صحابہ کرام رسول علیہ السلام کو بُغض کی آڑ میں بدنام کرکے اسلام کا مضحکہ اُڑا دیا جائے

بتقریب عرس سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رض
٢٢ جمادی الاخریٰ ١٣٤٢ھ

دائرۃ الاصلاح لاہور نے برائے افادہ اہلسنت والجماعت چھپوا کر مفت تقسیم کیا

کریمی پریس لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا

الرحمٰن الرحیم

روافض کے نزدیک امامت کا درجہ نبوت بلکہ الوہیت تک جا پہنچا ہے

اہلِ اسلام اور روافض کے درمیان سب سے زیادہ مابہ النزاع اور معرکۃ الآراء مسئلہ اگر کوئی ہے تو وہ مسئلہ امامت ہے۔ روافض امامت کو جزو نبوت کیا ہمسر نبوت والوہیت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ملّا باقر مجلسی اپنی کتاب "جلاء العیون" ترجمہ اردو مطبوعہ لکھنؤ کے ص ۲۵۵ پر لکھتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا۔ اے علیؓ مجھے اور تمہیں خدا نے باہم پیدا کیا۔ مجھے اور تمہیں جمیع خلائق سے برگزیدہ کیا۔ مجھے پیغمبری کے لئے اور تمہیں امامت کے لئے اختیار کیا۔ جو تمہاری امامت سے انکار کرے ایسا ہے کہ اس نے میری پیغمبری کا انکار کیا پھر یہی نہیں ہے کہ اعتقاداً امامت کو جزو نبوت سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ نبوت کے فرائضِ منصبی کی تعمیل و تکمیل بھی بغیر امامت کی استعانت کے انجام پذیر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ملّا صاحب موصوف اپنی کتاب "ممات القلوب"[لہ] ترجمہ اردو کے ص ۱۰۹۷ پر تحریر کرتے ہیں "معتبر روایتوں میں وارد ہوا ہے۔ کہ جب حق تعالےٰ چاہتا ہے کہ امامِ زمان پر حلال و حرام کے سوائے اور کسی علم کو تازہ نازل کرے تو اس علم کو ایک فرشتہ کے ہمراہ حضرت رسولؐ کے پاس بھیجتا ہے۔ وہ فرشتہ اس علم کو آنحضرتؐ کے روبرو پیش کرتا ہے۔ آنحضرتؐ حکم دیتے ہیں۔ کہ تو علیؓ کے پاس لے جا۔ اور یہ علم ان کو پہنچا دے۔ اسی طرح یہ علم یکے بعد دیگرے امامِ زمان کے پاس پہنچتا ہے"۔

گو روافض کی معتبر کتب سے اس قسم کی بے شمار مثالیں امامت کو جزو نبوت ثابت کرنے کے لئے پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر بطورِ مشتے نمونہ از خروارے انہیں دو مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے ہم آپ کی توجہ ان مثالوں کی طرف مبذول کرتے ہیں جن میں امامت کو ہمسر نبوت ہی نہیں بلکہ افضل عن النبوت سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم پہلے روایات مماثلت

لہ کتاب کا نام تو حیات القلوب ہے۔ لیکن اس کے گمراہ کن مضامین کے لحاظ سے اُسے ممات القلوب کہنا زیادہ موزون ہے۔

درج کرتے ہیں اور پھر روایات افضلیت درج کریں گے۔

روایات مماثلت امامت بہ نبوّت

اصول کافی کتاب الحجۃ کے چھتیسویں باب میں ہے۔ کہ اسم اعظم کے تہتّر حروف ہیں جن میں سے اللہ تعالےٰ نے بہتّر حروف رسول کریمؐ کو عطا فرمائے ہوئے تھے اور صرف ایک حرف اللہ تعالےٰ نے مخفی رکھا ہوُا تھا۔ اور یہ بہتّر کے بہتّر حروف پھر وراثتاً ائمہ کرام کو عطا ہوتے رہے۔ حالانکہ بڑے اولوالعزم پیغمبروں کو صرف گنتی کے چند حروف ملے ہوُئے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث ہے۔ نحن عندنا من الاسم الاعظم اثنان وسبعون حرفاً۔ اور دوسری حدیث ہے۔ انّ عیسیٰ بن مریمؑ اعطیٰ حرفین کان یعمل بھما و اعطیٰ موسیٰؑ اربعۃ احرف واعطی ابراھیم ثمانیۃ احرف ..... وان تبارک وتعالیٰ جمع ذالک کلہ لمحمدؐ وان اسم اللہ الاعظم ثلثۃ وسبعون حرفاً اعطی محمدؐ اثنین وسبعین حرفاً وحجب عنہ حرف واحداً۔

پھر اسی کتاب کے انچاسویں باب میں ایک حدیث درج ہے۔ جس میں جناب علی المرتضیٰؑ شریکِ علمِ جناب محمد مصطفےٰؐ ہیں۔ حدیث حسب ذیل ہے۔ ان جبرئیل اتی رسول اللہ برمّانتین فاکل احدٰھما وکسر الاخریٰ بنصفین فاکل نصفاً واطعم علیاً نصفاً ثم قال رسولؐ یا اخی ھل تدری ما ھاتان الرمّان قال لا قال امّا الاولیٰ فالنبوۃ وامّا الاخریٰ فالعلم انت شریکی فیہ۔ یعنی جبرئیلؑ رسول کریمؐ کے پاس دو انار بہشت سے لائے چنانچہ آنجنابؐ نے ان میں سے ایک کھا لیا اور دوسرے کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑا خود کھا لیا اور دوسرا ٹکڑا جناب امیرؑ کو دے دیا۔ اور جناب امیرؑ سے پوچھا کہ اے بھائی تو جانتا ہے کہ یہ انار کیسے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خبر نہیں ہے اس پر جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ کہ پہلا انار تو نبوت کا ہے اور دوسرا علم کا اور تو ہی ہیں میرا برابر کا شریک ہے۔ اسی طرح اسی کتاب کے چھپنویں باب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتہ جبرائیل و میکائیل سے بھی افضل پیدا کیا ہوا ہے جو

جناب رسالتمآب کے ہمراہ رہا کرتا تھا اور اُن کو ہر قسم کی خبر دیا کرتا تھا۔ اور ان کو راہِ راست پر
رکھا کرتا تھا۔ اور اب وہ آپ کے بعد آئمہ کرامؑ کے ساتھ رہتا ہے۔ حدیث یہ ہے قال
خلق من خلق اللّٰہ عزوجل اعظم من جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کان مع
رسول اللّٰہ یخبرہ و یسددہ و ہو مع الائمۃ من بعدہ۔ روافض نہ صرف مماثلت
فی العلم ہی کے قائل ہیں بلکہ مماثلت فی الولادت کے بھی مُقر ہیں۔ چنانچہ کتاب الحجہ جزو
حصہ کے باب مولد النبی میں ایک حدیث ہے۔ کہ قال اللّٰہ تعالیٰ یا محمد انی خلقتک
و علیاً نوراً یعنی روحاً بلا بدن قبل ان خلق السمٰوٰت و ارضی۔ یعنی اللہ
تعالےٰ نے فرمایا "اے محمدؐ میں نے تجھے اور علیؑ کو ایک نور سے خلق کیا تھا" آگے چل کر ایک
اور حدیث اسی باب میں درج ہے جس میں آئمہ کرام اور جناب رسالتمآب کے درمیان ایسی
مماثلت تامہ کا اظہار کیا گیا ہے کہ گویا دونوں میں کسی قسم کا قطعاً فرق ہی نہیں ہے۔
حدیث کے الفاظ یہ ہیں "ثم خلق محمداً و علیاً و فاطمۃ فمکثوا الف دھر ثم
خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم خلقھا واجری طاعتھم علیھا و فوض امورھا
الیھم ثم یحلون ما یشاؤن و یحرمون ما یشاؤن" یعنی اللہ تعالےٰ نے محمدؐ و
علیؑ و فاطمہؑ کو خلق کیا۔ پھر ہزار ہا سال کے بعد کل عالم کو خلق کیا۔ اس کی اطاعت کو اس
پر لازم گردانا اور اس کا انتظام آپ کے سپرد کیا، پھر انہوں نے جس چیز کو چاہا حلال کر دیا
اور جس چیز کو چاہا حرام قرار دیا۔ اسی قبیل کی ایک اور حدیث باب مولد امیر المومنین میں
لکھی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سوائے عطیہ نبوت کے جو صرف نبی آخر الزمان
کے لئے مختص تھا۔ باقی کوئی ایسی صفات نہیں تھیں جس میں نبیؐ و علیؑ باہم شریک نہ ہوں
چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "ان فاطمۃ بنت اسد جاءت الی ابی طالب
لتبشرہ بمولد النبی فقال ابو طالب اصبری سبتاً ابشرک بمثلہ الا النبوۃ
یعنی فاطمہ بنت اسد ابی طالب کے پاس آئیں اور انہیں نبیؐ کی پیدائش کی خوشخبری دی۔
ابو طالب نے کہا کہ تیس سال اور صبر کرو، میں تجھے ایک ایسے بچے کی پیدائش کی
خبر دیتا ہوں جو سوائے نبوت کے اور سب صفات میں اس کا مثیل ہوگا۔ اس حدیث
سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دونوں بھائی ہر طرح ایک دوسرے کے مثیل ہیں۔ فرق صرف ہے
تو اس امر میں کہ ایک تو بوجہ کبر سنی کے نبی ہو جاتا ہے اور دوسرا بوجہ صغر سنی کے اس

٭ زمین و آسمان سے پہلے

نعمت سے محروم رہتا ہے جس طرح بادشاہ کا بڑا لڑکا بوجہ تقدیم پیدائش کے ولیعہد و مالک تخت و تاج ہو جاتا ہے اور دوسرا بوجہ تاخیر پیدائش کے اس امتیاز سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ حسب و نسب لیاقت و فضیلت کے لحاظ سے دونوں برابر ہوتے ہیں۔ استغفر اللہ من هذا البہتان ؕ

روایات فضیلت امامت بر نبوت

خرافات مماثلت کو ملاحظہ فرما چکنے کے بعد اب قارئین کرام ان ہفوات کو بھی سن لیں جن سے یہ معاملہ اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ حضرات روافض جناب امیرؑ کو عقیدتاً جناب رسالتماب سے افضل و ارفع سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ثبوت میں ہم حسب ذیل احادیث پیش کرتے ہیں (۱) بحار الانوار میں ابو نصر بن قابوس کی امام صادقؑ سے روایت درج ہے۔ کہ" السواد الذی فی القمر محمدؐ رسول اللہ۔ یعنی قمر میں جو تاریکی کے داغ ہیں وہ جناب رسالتماب کی ذات باصفات ہے۔ اور پھر دوسری جگہ اسی کتاب میں جناب امیرؑ کی نورانیت ذات کیطرف کئی ایک آیات قرآنی کو منسوب کیا ہوا ہے " یخرجکم من الظلمٰت الی النور" اور" لیطفؤ نور اللہ بافواھھم" اسی طرح قرآن کریم میں جہاں جہاں لفظ نور آیا ہے وہاں نور سے جناب امیرؑ ہی مراد لئے گئے ہیں۔ جب جناب علیؑ تو نور ہوئے اور جناب محمدؐ (توبہ نعوذ باللہ) ظلمت تو قارئین کرام ہی فیصلہ فرما دیں کہ افضل نور ہے یا ظلمت؟ چنانچہ خود جناب باریتعالیٰ فرماتا ہے" ھل تستوی الظلمٰتُ والنورُ" یعنی کیا ظلمت اور نور برابر ہو سکتے ہیں؟

(۲) کتاب خصال ابن بابویہ میں جہاں جناب علی المرتضیٰ کے ستر مناقب درج ہیں وہاں اٹھسٹھویں منقبت میں منقول ہے" وَاَمَّا الثَّانِیَۃُ وَالسِّتُّوْنَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ نَادیٰ مُنَادٍ مِنْ بُطْنَانِ الْعَرْشِ اَیْنَ سَیِّدُ الْاَنْبِیَاءِ فَاَقُوْمُ ثُمَّ یُنَادِیْ اَیْنَ سَیِّدُ الْاَوْصِیَاءِ فَتَقُوْمُ فَیَاْتِیْنِیْ رِضْوَانُ بِمَفَاتِیْحِ الْجَنَّۃِ وَیَاْتِیْنِیْ مَالِکٌ بِمَقَالِیْدِ النَّارِ فَیَقُوْلَانِ اِنَّ اللّٰہَ جَلَّ جَلَالُہٗ اَمَرَنَا اَنْ نَدْفَعَھَا اِلَیْکَ وَیَاْمُرُکَ اَنْ تَدْفَعَھَا اِلٰی عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ

فتکونُ یا علیُّ قسیمُ الجنۃِ والنارِ ؛

تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ دوزخ و بہشت کے سیاہ و سفید کے مالک تو جناب علی المرتضٰے ہیں۔ اور جناب رسالتمآب گو سردار انبیاء ہیں مگر آپ کے ید قدرت میں کوئی معاملہ نہیں ہے۔ گویا آپ بلا تشبیہہ محض شطرنج کے بادشاہ ہیں اور آپ کے وزیر کو اختیارات کلی حاصل ہیں وہ جو چاہیں کریں۔ بادشاہ کو اس کے انصرام میں مداخلت کا یارا نہیں ؛

(۳) اسی طرح ایک تیسری روایت افضلیت کتاب الحجۃ جزو سوم کے چالیسویں باب میں ہے کہ "عن ابی عبد اللہ قال ان اللہ تبارکُ وتعالیٰ علمین علماً ظاھر علیہ ملائکتہ وانبیاء ورسلہ فما اظھر علیہ ملائکتہ ورسلہ وانبیاء فقد علمناہ علماً استاثر بہ فاذا ربد اللہ فی شی منہ اعلمنا ذالک الخ یعنی امام جعفر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو دو قسم کا علم ہے۔ ایک علم تو ایسا ہے جس سے کل فرشتوں۔ نبیوں اور رسولوں کو مطلع کیا ہوا ہے اور وہ علم تحقیق ہم کو بھی معلوم ہے۔ اور دوسرا علم اُس قسم کا ہے جس سے سوائے اپنے اُس نے کسی کو آگاہی نہیں دی ہوئی۔ پس جب کسی شئے کے متعلق اللہ تعالےٰ کو اس مخفی علم سے معاملہ آپڑتا ہے تو ہمیں اس کی اطلاع دی جاتی ہے وغیرہ۔ ان دو علموں کے نام بھی حضرات روافض نے تجویز کر رکھے ہوئے ہیں چنانچہ پہلے علم کو جس سے سب فرشتوں اور رسولوں کو بہرہ اندوزی حاصل ہوتی ہے "علم مبذول" کہتے ہیں اور دوسرے علم کو جو خداوند تعالےٰ اور آئمہ سے مخصوص ہے "علم مکفوف" کہتے ہیں۔ ان احادیث مختلف کے مطالعہ کے بعد بھی کسی ذی فہم انسان کو شک و شبہ باقی رہ سکتا ہے کہ حضرات روافض حقیقتاً علی المرتضیٰ کو جناب محمد مصطفٰے سے اعلیٰ و افضل نہیں سمجھتے ؟

روایات فضلیت امامت بر اُلوہیت

گو رسولِ کریم سے ہی کسی بشر کو افضل سمجھنا اہل اسلام کے نزدیک کفر ہے۔ مگر حضرات روافض تو خداوند تعالےٰ پر بھی ہاتھ صاف کرنے سے نہیں چوکتے۔ اردو کی پہلی کتا

کے "چنو کمہار" کے بیٹے کی طرح جب کسی شخص کی زبان گالیوں پر رواں ہو جاتی ہے۔ تو گالی دیتے وقت اس کے دل میں یہ خیال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کیا گالی دے رہا ہے اور کسے دے رہا ہے جو منہ میں آیا بک دیا اور جو آڑے آیا اس کو رگڑ دیا۔ حضرات روافض نے بھی اصحاب کرامؓ پر جو زبان درازی کی مشق شروع کی۔ تو نہ جناب رسالتمآبؐ کو چھوڑا اور نہ اللہ تعالےٰ کو مستثنےٰ کیا ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مُرغ قبلہ نما آشیانے میں

بہرحال وہ روایات اندکے از بسیار یا مُشتے از خروارے یہ ہیں :-

(۱) محمد رضی بن محمد نصیر المجلسی نے تکملہ حیات القلوب میں روایت کیا ہے۔ کہ اگر تمام درخت قلمیں تمام سمندر سیاہی اور تمام جن و انس محاسب و کاتب بن جائیں تو بھی حضرت علی بن ابی طالب کے فضائل کو شمار نہیں کر سکتے۔ گویا آیۃ لو کان البحر مدادا الخ حضرت علیؓ ہی کی شان میں ہے نہ کہ خدا کی شان میں ٭

(۲) خطبہ افتخاریہ میں جو اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے حضرت علیؓ (معاذ اللہ) ان الفاظ میں خدا کو بالائے طاق رکھتے ہیں اَنَا المحاسبُ لِلخَلقِ[1] اَنَا منزلھم اَنَا عذاب اھل النار الیٰ ان قال اَنَا صاحب الاٰیاتِ العجیبات اَنَا عالم الاَسرار البریات اَنَا مُنزلُ[2] الملٰئکۃ منازلھا اَنَا اٰخذ العھدِ علی الاَرواح فی الاز اَنَا واضع عن امۃ محمدٍ الوِزر اَنَا باب السجود اَنَا العابد اَنَا المعبود اَنَا الشاھد اَنَا المشھود یعنی میں (علی) خلقت کا محاسب ہوں۔ میں ان کا منزل ہوں میں دوزخیوں کا عذاب (دینے والا) ہوں۔ میں آیاتِ عجیبہ کا مالک ہوں میں مخلوقات کے بھیدوں کا جاننے والا ہوں۔ میں فرشتوں کو ان کی منازل پر اتارنے والا ہوں۔

---

[1] علیؓ کو محاسب خلق اللہ ثابت کرنے کے لئے باقر مجلسی بحار میں سورۃ غاشیہ کی آیہ کریمہ کو اس طرح محرف کر کے پیش کرتا ہے۔ اِنَّ اِلَینَا اِیابَ ھٰذَا الخلق وَعَلِیًّا حِسَابُھُم (اصل آیت اِنَّ اِلَینَا اِیَابَھُم ثُمَّ اِنَّ عَلَینَا حِسَابُھُم)

[2] گویا تَنَزَّلُ المَلٰئکۃُ وَالرُّوحُ فِیھَا بِاِذنِ رَبِّھِم کی آیہ کریمہ میں رب سے مراد حضرت علیؓ ہوئے (اعوذ باللہ)

یَں ہی ہوں جس نے رُوحوں سے ازل میں عہد لیا تھا۔ مَیں ہی اُمّتِ محمدیّہ سے بوجھ اُٹھانے والا ہوں۔ مَیں ہی مسجدوں کا دروازہ ہوں۔ مَیں عابد ہوں معبُود ہوں شاہد ہوں مشہود ہوں"

(۳) اسی طرح خطبہ طنجیہ میں جو حضرت علیؓ نے (دروغ برگردنِ روافض) کوفہ و مدینہ کے درمیان فرمایا۔ آپ نے اپنے آپ کو تمام حوادثِ گذشتہ کو صدور میں لانے والا بتا کر کہا۔ کہ میں ہی مُحیی (زندہ کرنے والا) مُمیت (مارنے والا) ہوں۔ میں ہی اوّل آخر۔ باطن۔ ظاہر ہوں وغیرہ "

(۴) لوامع انوار میں ابوذر و سلمان کی روایت سے جناب امیرؓ کا دعوٰے خدائی یُوں مرقوم ہے اَنَا اُحْیِ الْمَوْتٰی وَ اَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَنَا الْکِتَابُ الْمُبِیْنُ وَ اَنَا حَمَلْتُ نُوْحًا فِی السَّفِیْنَۃِ وَ اَنَا صَاحِبُ یُوْنُسَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ اَنَا جَاوَزْتُ مُوْسٰی فِی الْبَحْرِ وَاَھْلَکْتُ الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی الخ۔ یعنی میں مُردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے میں کتاب مُبین ہوں۔ مَیں نے ہی نوحؑ کو کشتی میں اُٹھایا۔ میں ہی مچھلی کے پیٹ میں یونس کا صاحب تھا۔ میں نے ہی موسیٰؑ کو دریا سے پار اُتارا اور پہلے قرنوں کو ہلاک کیا الخ

امامت کے متعلق روافض کے عقائد

عقیدہ اوّل:۔ حضرات روافض نے امامت کو نبوّت والوہیّت کے مسروقہ سازوسامان سے مزیّن و مرصّع کر کے وجود ائمہؑ کو سرتاج "اشرف المخلوقات" اور "احسن الخالقین" کے درمیان ایک ایسا وجود مرکب قرار دیا ہے جو کبھی تو خدا نظر آتا ہے اور کبھی مصطفےٰ۔ اور اگر ان کے زاویہ نگاہ سے بغور دیکھا جائے تو اس وجود کے بغیر نہ تو جناب احدیّت مکمل ہے اور نہ ہی جناب احمدیّت۔ پس جب ائمہ کرامؒ کے وجود کے عناصر اربعہ میں خدائی بھی ہے اور مصطفائی بھی۔ تو لامحالہ یہ کہنا پڑتا ہی کہ ائمہؒ معصوم ہیں وگرنہ خدا بھی غیر معصوم ہوگا اور مصطفےٰ بھی۔ چنانچہ امامت کے متعلق روافض کا عقیدہ اول یہ ہے کہ ائمہؑ معصوم ہیں۔ ائمہ کی اس معصومیت سے یہی مراد نہیں کہ وہ معصیت کی آلودگی سے پاک ہوتے ہیں۔ بلکہ روافض کا اعتقاد

نہ روافض کے قول کے مطابق علیؓ میں خدائی طاقتیں پیدا ہوتے ہی بتدریج گھٹنے لگیں حتیٰ کہ بعد وفات رسولؐ آپ مخالفوں سے نہ اپنے آپ کو بچا سکے نہ اپنے اہل و عیال کو۔ العجب ثم العجب ۔

تو یہ ہے کہ ائمہ کا نطفہ اور اُن کی پیدائش بھی اہل انسانی آلودگیوں سے پاک ہوتی ہے
چنانچہ کافی کی کتاب الحجۃ جزو سوم باب موالید الائمۃ میں لکھا ہے کہ امام کا نطفہ ناپاک
منی سے نہیں بلکہ شربت آسمانی سے بنتا ہے۔ ملاحظہ ہو مضمونِ روایت "اتی آتٍ
جدا بی بکاس فیہ شربۃ ارق من الماء والین من الزبد واحلیٰ من
الشھد وابرد من الثلج وابیض من اللبن ...... وان نطفۃ الامام
مما اخبرتک" اس کے معنے صاحب شرح صافی اس طرح کرتا ہے "آورد آیندہ جد
پدرم امام حسینؑ را بجامے کہ دراں شربتے بود صاف تر از آب و نرم تر از مسکہ و شیریں
تر از عسل و سرد تر از برف و سفید تر از شیر ...... و بدرستیکہ نطفۂ امام از آں
شربت است کہ خبر کردم ترا"
اسیطرح حمل و پیدائش امام کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ پہلو میں رہتا اور رانوں کے راستہ سے
پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ "منفذ عامہ" پیشاب گاہ ہے جس کی آلودگی سے مفر محال ہے (ملاحظہ
ہو تحقیق المتین ترجمہ "حق الیقین" ملا باقر مجلسی مطبوعہ لاہور کا صفحہ ۲۰۲)

عقیدۂ ثانی:- جب ائمہ کرامؓ کو جامع صفاتِ الوہیت و نبوت سمجھا جاتا ہو
تو کب ممکن تھا کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی بات میں بھی اُن کو نیچا دکھایا جاتا۔ چنانچہ جس
طرح جمیع اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مبعوث من اللہ ہوتے ہیں۔ اسیطرح
روافض کا یہ ہی عقیدہ ہے کہ ائمہ منصوص من اللہ ہوتے ہیں خواہ یہ نص نص قرآن ہو یا نص
حدیث۔ بالفاظِ دیگر ان کا عقیدہ ہے کہ تعینِ امام خدا کا کام ہے نہ کہ خلقت کا۔ چنانچہ ملا
یعقوب الکلینی کافی کی کتاب الحجۃ جزو سوم کے ستھویں باب میں لکھتا ہے "فقال لا و
اللہ یا ابا محمد ما ذاک الینا وما ھو الا الی اللہ عزّ وجلّ نزل
واحد بعد واحدٍ" جس کی تشریح بزبان فارسی ملا خلیل قزوینی شرح صافی
میں اس طرح کرتا ہے: "پس امام (جعفر صادق) گفت نہ بخدا قسم اے ابو محمد نیست تعین
وصی مفوض بسوئے او نیست آں مگر مفوض بامر اللہ عزّ و جل بترتیب میرسد آئمہ را یکے
بعد از یکے باین معنی کہ باختیار ما نیست تا باین معنی کہ باستنباط ما نیز نیست بلکہ در زبور کتاب
الہی مذکور است" امامت کے متعلق روافض کا عقیدہ ثانی یہ ہے کہ آئمہ منصوص من اللہ
ہوتے ہیں۔ یہی دو عقائد ہیں جن میں روافض جمیع اہلِ اسلام سے اختلاف رکھتے ہیں"

وجۂ خصومت روافض

پس جب روافض نے یہ قرار دیدیا کہ (الف) آئمۃ معصوم ہیں اور (ب) آئمۃ منصوص من اللہ ہوتے ہیں۔ تو اب ہر ایسا مسلمان جو معصوم بھی نہیں اور منصوص من اللہ بھی نہیں لیکن کافۃ الناس اُسے باتفاق رائے اپنا خلیفہ اور امیرالمومنین قرار دیتے ہیں روافض محض اس وجہ سے کہ چونکہ وہ اُن کے خیالی سلسلہ منصوصہ میں منسلک نہیں ہے۔ خواہ اس نے نشرواشاعت دین خیرالانام وتحفظ واستحکام حکومت اسلام کی بےمثل و بےنظیر خدمات انجام دی ہوں۔ فحش سبّ وشتم کا آماجگاہ بناتے ہیں چنانچہ تبرّا کی بنیاد انہی دو اصولوں پر قائم کی گئی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ محض تبرّا کی خاطر یہ دو اصول وضع کئے گئے ہیں روافض تبرّا کو چونکہ جزوایمان سمجھتے ہیں اس لئے عامۃ الناس کی نظروں میں تبرّا کو جائز اور تبرّا کہنے والے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے اُن کے علماء کے اختراعی دماغوں نے اصحاب کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ کے درمیان نزاع ومناقشت کے اس قسم کے فرضی قصّے تراشے جن سے ایک طرف تو اہل بیتؓ کی بےحد مظلومی اور بےکسی ظاہر ہو اور دوسری طرف اصحاب رسولؐ کی پرلے درجہ کی شقاوت قلبی اور ستم شعاری ثابت ہو۔ چنانچہ ان مصنوعی کہانیوں میں سے ایک کہانی "احراق باب فاطمہؓ" کے نام سے مشہور ہے

اِحراق کی مصنوعی کہانی

بیان کرنے والے اس قصّہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ جب بعد وصال ختم الرسل اصحاب رسولؐ نے خلافت غصب کرلی۔ تو حضرت علیؓ کو بیعت خلیفۂ اول کے لئے دربار حکومت میں طلب کیا گیا۔ مگر آنجناب نے تعمیل حکم سے انکار کیا۔ چنانچہ سیدنا حضرت عمرؓ چند ہمراہیوں کو ساتھ لے کر باب فاطمہؓ پر حاضر ہوئے اور مکان کو جلا دیا یا بتہدید آگ جلانے کی دھمکی دی۔ اور سیدنا حضرت علیؓ کو گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتے گھسیٹتے دربار میں لے گئے اور وہاں جگہ اُن سے جبراً بیعت لی۔ علامہ حائری مجتہد لاہوری نے اپنی کتاب "اظہار حقیقت" کے مقالہ ششم میں اسی قصہ کو درست

ثابت کرنے کے لئے بزعمِ خود کئی ایک کتب سُنّیہ کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ رسالہ ہذا میں اُن کتب اور حوالجات پر تنقید کی جائیگی

روافض کے پیش کردہ حوالوں کی حقیقت

پیشتر اس کے کہ ہم فرداً فرداً ایک ایک حوالہ پر تنقید کریں یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام پر واضح کر دیا جائے کہ وہ کتب جن سے حوالہ دیا گیا ہے کس قسم کی ہیں اور کہاں تک ہمارے خلاف لبطور حجت پیش کی جا سکتی ہیں اگر مسلمانو کے درمیان کسی دینی یا دنیوی معاملہ میں تنازع ہو جائے۔ تو بموجب ارشاد باری تعالیٰ "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" قال اللہ وقال الرسول کیطرف رجوع کرنے کا حکم ہے اور یہی قاضی النزاع ہمیشہ سے سمجھے چلے آتے ہیں اور اب تک ہیں۔ قال اللہ سے مراد قرآن حمید ہے اور قال الرسول سے مراد احادیث نبوی ہیں۔ قرآن مجید ہر فرقہ اہلِ اسلام کے پاس ایک اور صرف ایک ہی صورت میں موجود ہے جس میں لفظ وحرف تو درکنار زیر وزبر کا فرق بھی نہیں ہے باقی رہا کتب احادیث کا معاملہ البتہ یہ ایک نہایت ہی مشکل اہم اور پیچیدہ معاملہ ہے۔ ہر گروہ اور ہر طبقہ کے اعتقاد مختلفہ کی بنیاد ان کی اپنی اپنی کتب احادیث پر ہے۔ چنانچہ جس طرح روافض کی اپنی کتب احادیث ہیں۔ اسی طرح اہلِ اسلام کی بھی ہیں فرقانِ حمید جو سب کا مشترکہ ہے۔ اُس میں اس معاملہ احراق کا کنایہ و اشارہ تک نہیں ہے۔ باقی رہیں ہماری کتب احادیث اُن میں بھی ایک لفظ اس کے متعلق درج نہیں۔ ان دو معتبر وثقہ اصناف کتب کے علاوہ ایک تیسری صنف بھی ہے جس میں رطب ویابس ہر ایک قسم کی اناپ شناپ رام کہانیاں بلا تحقیق وتنقید درج ہوتی ہیں۔ اس قسم کی کتابیں تاریخ وسیر کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کتابوں کی روایات حجتاً ہمارے خلاف پیش کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ کیونکہ متقدمین نے تحقیق وتنقید کی ضرورت کو صرف ان روایات سے مختص کیا ہوا ہے۔ جو شرعی احکام کو ثابت کرتی ہیں۔ دیگر روایات جو سیرت وفضائل وغیرہ سے متعلق ہیں ان میں تشدد اور احتیاط کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ حافظ زین الدین

عراقی جو حافظ ابن حجر کے اُستاد تھے۔ سیرۃ نبوی منظوم میں کتب سیر کی روایات کے متعلق لکھتے ہیں[۱]

ولیعلم الطالبُ ان السیرا   یجمع ماصحّ وما قد انکرا

یعنی طالب فن کو جاننا چاہیئے کہ سیرۃ میں ہر قسم کی روائتیں نقل کی جاتی ہیں صحیح بھی اور قابل انکار بھی ⁎

یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات سیر و تاریخ میں بھی ضعیف و موضوع روائتیں شامل ہو گئی ہیں۔ اور اس کی وجہ موجہ یہ ہے کہ کتب سیر و تاریخ میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں وہ فن حدیث کی اصل بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں اس لئے ارباب سیر کو تحقیق اور تنقید کا معیار کم کرنا پڑتا ہے۔ اس کثرت درجہ کی تجسس و تفحص کیوجہ سے جو معائب کہ کتب سیر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ انکی اصلاح کے لئے مسلمانوں نے اسماء الرجال کی بے شمار کتابیں تصنیف کر دی ہیں۔ جن کی مدد سے اس امر کی تحقیق ہو سکتی ہے کہ جو لوگ سلسلۂ روایت میں آئے ہیں وہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ۔ سطحی الذہن ہیں یا دقیقہ بین عالم ہیں یا جاہل۔ نیک چلن ہیں یا بدچلن وغیرہم۔ اگر کسی روایت کے سلسلہ رواۃ میں مجروح راوی پایا جائے تو وہ روایت مستند متصور نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کتب سیر کی وہی روایات قابل تسلیم ہو سکتی ہیں کہ جن کا

[۱] محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاح قدیم میں سیرت کا اطلاق سرور دو جہاںؐ کے خاص غزوات پر ہوتا تھا۔ کئی صدیوں تک یہی طریقہ رہا۔ چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور رہیں مثلاً سیرت ابن ہشام۔ سیرت ابن عائذ وغیرہ ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں۔ البتہ زمانہ مابعد میں غزوات کے سوا اور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں مثلاً امام قسطلانی کے مواہب لدنیہ میں غزوات کے علاوہ اور بہت کچھ مواد موجود ہے۔ رفتہ رفتہ سیرت میں وہ کل واقعات لکھے جانے لگے جو آجکل تاریخ میں لکھے جاتے ہیں۔ اگر فرق تھا تو صرف یہ کہ سیرت میں روایات بقید اسناد لکھی جاتی نہیں اور تاریخ میں یہ قید لازمی نہیں ہے۔ ابتدائی تاریخوں میں البتہ یہ قید موجود ہے چنانچہ امام بخاری و طبری کی کتابوں میں روایات بسند مذکور ہیں۔ اس لئے اصطلاحی طور پر وہ بھی کتب سیر کہلانے کی مستحق ہیں نہ کتب تاریخ ⁎

سلسلہ رواۃ اسماء الرجال کی جرح و تعدیل میں پورا اترے۔ کتب تاریخ میں چونکہ روایات بلا اسانید مذکور ہوتی ہیں اس لئے وہ صحت کے لحاظ سے کتب سیر سے بھی بہت ادنیٰ درجہ رکھتی ہیں اور ہمارے خلاف کبھی بطورِ حجت پیش نہیں کی جا سکتیں حائری صاحب نے مسئلہ زیر بحث کے ثبوت میں جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے وہ سب کتب تاریخ ہیں چنانچہ ہم یکے بعد دیگرے ان کتابوں کے حوالجات پر تنقید شروع کرتے ہیں ؛

سند ۱ کتاب الملل و النحل (حائری کا فریب)

خانہ ساز مجتہد صاحب نے پہلی سند جو پیش کی ہے وہ کتاب الملل و النحل ہے۔ چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں کہ سُنیوں کے امام ابو الفتح عبدالکریم شہرستانی نظام کا قول بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے[2] الخ" کتاب الملل و النحل جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کل مذاہب اور اُن کے مختلف فرقوں کے عقائد کی تاریخ ہے۔ علامہ شہرستانی صاحب نے بحیثیت مورخ کے بلاکم و کاست ہر ایک مذہب و ملت کے بانی اور اس کے اصول و فروع کا ذکر کیا ہوا ہے۔ علامہ شہرستانی کا سُنی ہو کر رافضیوں کے ایک فرقہ کے عقائد لکھنا رافضیوں کے حق میں اور سُنیوں کے خلاف کس طرح حجت ہو سکتا ہے۔ اگر نہیں ہو سکتا۔ تو پھر آپ نے یہ کیوں لکھا کہ "سُنیوں کے امام علامہ شہرستانی نظام کا قول بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے"۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نیت فریب دہی کی تھی کہ بےخبر ناظرین یہی سمجھیں کہ علامہ موصوف گو قول نظام کا لکھتا ہے مگر خود بھی اس کا ہم عقیدہ ہے جس طرح ایک عیسائی۔ گبر۔ یہودی۔ ہندو مسلمان یا دہریہ کسی ایک قوم۔ گروہ یا فرقہ کے مذہب یا تمدن کی تاریخ لکھنے کی وجہ سے اس قوم یا فرقہ کا ہم مذہب نہیں سمجھا جا سکتا اسی طرح صاحب الملل و النحل بھی نظام بد فرجام اور اس کے مقلدین کا عقیدہ ضبطِ تحریر میں لانے کے باعث نظام کا ہم آہنگ تصور نہیں ہو سکتا اور نہ ہی نظام کے عقائد کا اظہار اہل سنت و الجماعت کے خلاف بطورِ حجت پیش کیا جا سکتا ہے ورنہ عیسائی اعتقادات کے بیان کے ضمن میں حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ لکھنے کی وجہ سے علامہ موصوف عیسائی متصور ہونگے اور عیسائی اس عقیدہ کے اظہار کو ہمارے خلاف حجتاً پیش کر سکتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ الشریعۃ اصفہانی کا فتویٰ مشہورہ مولوی محسن علی شیعی

[2] مجتہد صاحب کی بندش کلام قابل داد ہے +

وعلیٰ ہذا القیاس کُل دیگر مذاہب کے مقلدین بھی علامہ شہرستانی صاحب کو اُن کے
مذہبی عقائد تحریر میں لانے کی وجہ سے اپنا ہم عقیدہ سمجھ کر ہمارے خلاف اسکی نوشت
کو بطور حجت پیش کر سکتے ہیں۔ خود ساختہ مجتہد صاحب! اگر کوئی عیسائی آپ کے طریقہ
استدلال پر عمل پیرا ہوتے ہوئے علامہ شہرستانی کو روافض کے اعتقادات لکھنے کے
سبب رافضی سمجھ کر عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کی حجت پیش کرے تو جو جواب آپ اُس
کو دیں گے وہی ہماری طرف سے سمجھ لیجئے۔ علاوہ ازیں اظہار حقیقت کے صفحہ ۵۰ کے
حاشیہ پر جو آپ نے لکھا ہے کہ سُنیوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ہر ایسے انسان کو جو اہل بیت
کے حق میں کلمۂ حق کہنے والا ہے رافضی کہہ دیا کرتے ہیں بالکل غلط ہے۔ اہل سنت والجماعت
صرف اصحاب ثلاثہ کی شان میں بیہودہ بکنے والوں کو رافضی کہتے ہیں۔ گھریلو مجتہد صاحب
کو شاید یہ پتہ نہیں ہے کہ مذہب کو کسی کی ذات۔ قومیت و نسل سے تعلق نہیں ہوا کرتا
بلکہ ہر انسان کے شخصی اعتقاد پر اس کا انحصار ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص مسلمانوں کے گھر
میں پیدا ہوا اور نام اُس کا عبد العلی بھی ہو۔ مگر وہ عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا یقین کرتا ہو تو کیا آپ
اس کو عیسائی نہیں کہینگے؟ اگر ایک شخص ایسا بد طینت ہو کہ خدانخواستہ آپ کے والد
ماجد کی شان میں گستاخانہ کلمات لکھتا ہو تو کیا آپ اس کو اپنا دوست سمجھ سکتے ہیں؟
اسی طرح جو شخص اصحاب ثلاثہ کے حق میں ناروا بکتا ہو اور انہیں ظالم و غاصب تصور کرتا
ہو وہ سُنّی نہیں کہلا سکتا +

چونکہ نظام ایسا ہی افترا پرداز اور بدگو ہے جیسا کہ اور رافضی ہوتے ہیں اس لئے
علامہ شہرستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ فرقہ نظامیہ کا بانی مبانی ہے جو معتزلیوں کا
ایک فرقہ ہے اور دیگر فرقہ ہائے اعتزال سے تیرہ (۱۳) امور میں منفرد و متمیز ہے۔ اور ان امور
میں سے گیارھویں امر کی نسبت علامہ موصوف نے تحریر کیا ہے "میلہ الی الرفض و
وقیعتہ فی کبار الصحابۃ قال اولا لا امامۃ الا بالنص والتعیین ظاہرًا
مکشوفًا وقد نص النبی علی علیؓ کرم اللہ وجہہ فی مواضع واظہرہ
اظہارًا لم یشتبہ علی الجماعۃ ... فقال ان عمرؓ ضرب بطن
فاطمۃ یوم البیعۃ حتی القت المحسن من بطنہا وکان یصیح
احرقوہا بمن فیہا وما کان فی الدار غیر علی و فاطمۃ والحسن

والحسین الخ" یعنی نظام کی رغبت رفض و بدگوئی صحابہ کبار کیطرف تھی۔ نظام کا قول تھا کہ امامت کے لئے نص و تعیین امام شرح کی ضرورت ہے اور کہ رسول کریمؐ نے حضرت علیؓ کے حق میں کئی موقعوں پر اظہار نص ایسا علانیہ کیا تھا کہ جماعت میں سے کسی کو بھی شبہ نہ رہا تھا۔ پھر نظام کا قول تھا۔ کہ حضرت عمرؓ نے بیعت ابوبکرؓ کے بعد سیدہؓ کے بطن مبارک پر ضرب لگائی تھی جس کی وجہ سے اسقاط محسن ہوا تھا اور حضرت عمرؓ چیخ چیخ کر کہتے تھے کہ اس گھر کو بمعہ ان لوگوں کے اور ان اشیاء کے جو اس میں ہیں۔ جلادو۔ ماسوائے حضرت علیؓ۔ فاطمہؓ۔ حسنؓ و حسینؓ کے" ۔

کیوں مجتہد صاحب! یہ علامہ شہرستانی کا عقیدہ ہے یا نظام بدلگام کا؟ اب تو مارے شرم کے آنکھیں نیچی کر کے دبی زبان سے ہی اقرار کر لیجئے کہ "سنیوں کے امام کی مستزاد آپنے محض بغرض فریب دہی عامۃ الناس لگائی تھی۔ وگرنہ علامہ شہرستانی کا اپنا عقیدہ و مذہب تو شروع کتاب میں بحروف جلی اس طرح درج ہے" واخبر النبیؐ استفترق امتی علیٰ ثلاث وسبعین فرقۃ الناجیۃ منھا واحدۃ والباقون ہملکن۔ "قیل" ومن الناجیۃ" "قال" اھل السنۃ والجماعۃ "قیل" ومن اھل السنۃ والجماعۃ" قالؐ ما انا علیہ الیوم واصحابی" یعنی رسول کریمؐ نے خبر دی ہے کہ میری امت عنقریب ۷۳ فرقوں پر تقسیم ہو جائے گی اور ان میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا اور باقی ناری۔ لوگوں نے پوچھا ناجی فرقہ کونسا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اہل سنت والجماعت کا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اہل سنت والجماعت کون ہیں آپ نے فرمایا یہ وہ فرقہ ہے جس پر آج ہم ہیں اور ہمارے اصحابؓ"۔ مجتہد صاحب! جھوٹ سے محبت اور سچ سے نفرت ہی سہی مگر اتنی بھی کیا کہ بھولے سے بھی کبھی دن کو دن اور رات کو رات نہ کہنا۔ دعوے تو یہ ہو کہ سنیوں کی کتابوں سے سنیوں کے خلاف الزام ثابت کروگے۔ مگر بمطابق "پکڑا چوہا نکلا جولاہا" جو کتاب پیش کرتے ہو اس میں تقیہ باز نے ہی اپنا منہ کالا کیا ہوتا ہے ۔

سند ۲ معارج النبوت (بحث متعلق اسقاط حمل)

دوسری کتاب جو سابق مفتی مبارک حویلی[1] نے اپنے دعوے باطل کے ثبوت میں

---

[1] مفتی صاحب پہلے جو فتوے لکھتے تھے اس میں نام کے نیچے "مین مبارک حویلی" ضرور مرقوم ہوتا تھا۔ مگر اب شیعی نواب کی حویلی کا نام ترک کر کے کوچہ شیعان مقام فتوے بازی منتخب کیا گیا ہے۔ اس تبدیلی میں گندم و آذوقہ کی بندش کا تو دخل نہیں؟ بینوا ۔

پیش کی ہے وہ ملا حسین کاشفی کی معارج النبوت ہے۔ جو اقتباس کہ مفتی صاحب نے درج رسالہ اظہار حقیقت کیا ہے اس کا مفہوم اسی قدر ہے کہ خاتونِ قیامت کے ہاں چھ بچے ہوئے تھے۔ یعنی حسنؓ، حسینؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ، رقیہؓ و محسنؓ جن میں سے آخرالذکر کا اسقاط ہو گیا تھا۔ اور بتول رضی اللہ عنہا اسی مرض سے جاں بحق تسلیم ہوئی تھیں حوالہ ہٰذا میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ اس اسقاط کا کچھ بھی تعلق سیدنا حضرت عمرؓ کے مفروضہ جور و ستم سے ہے۔ یہ ہر شخص کا مشاہدہ روزمرہ ہے کہ عورتوں کے حمل چھن بھی جاتے ہیں اور بچے اسقاط بھی ہو جاتے ہیں کیا ان سب عورتوں کے حمل خلیفہ ثانی ہی کے قبضۂ تلوار کی ضرب سے گرائے جاتے ہیں؟ بعض عورتوں کے رحم قدرتاً کمزور ہوتے ہیں اور بعض کے کثرتِ ولادتِ اطفال کے باعث ایسے کمزور ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک خاص مدت حمل کے بعد بڑھنے والے جنین کے بوجھ کے متحمل نہیں ہو سکتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حمل سقط ہو جاتا ہے اور اگر عورت کی اپنی صحت بھی بوقتِ اسقاط کمزور ہو تو بعض دفعہ اسقاط کی تکلیف شاقہ بھی مہلک ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات نااہل دایہ کی ناقابلیت کی وجہ سے فاسد مادہ رحم کے اندر رہ جاتا ہے جس سے خون میں سمیت سرایت کر جاتی ہے اور مریضہ کی جان تلف ہو جاتی ہے روافض کی کتب معتبرہ کے مطالعہ سے تاڑنے والے کی حقیقت بیں نظر تاڑ جاتی ہے۔ کہ سیدہ جگر گوشۂ رسولؐ بھی بقول اُن کے نہ بقول ہمارے کمسنی میں کثرتِ ولادت کے باعث کمزور ہو گئی تھیں۔ کیونکہ کافی الکلینی کی کتاب الحجۃ جزو سوم حصہ کے ابواب مولد الزہرا و مولد الحسن و مولد الحسین کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی عمر بوقتِ وصالِ حقیقی کل اٹھارہ سال اور چند ماہ تھی۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کا نکاح ہوا تھا۔ اور نو سال کی عمر میں حضرت حسنؓ پیدا ہوئے تھے اور اُن کی پیدائش سے چھ مہینے اور دس یوم کے بعد حضرت حسینؓ کتم عدم سے عالمِ وجود میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ چنانچہ اس واقعہ غریبہ کو ملا خلیل قزوینی شارح کافی اپنی شرح موسومہ صافی کی کتاب الحجۃ جزو سوم حصہ ۲ باب مولد حسینؓ صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ نولکشور میں بدیں الفاظ لکھتا ہے۔

"روایت است از امام جعفر صادقؑ کہ گفت بود فاصلہ میانِ ولادت حضرت امام حسنؓ و آبستن شدن بحضرت امام حسینؓ دہ روز و بود تفاوت میان ایشاں در وقتِ پیدائش

"شش ماہ و دہ روز" یعنی امام حسنؓ کی پیدائش اور امام حسینؓ کے حمل کے درمیان دس[1] روز کا فاصلہ تھا۔ اور اُن کی پیدائشوں میں چھ مہینے اور دس دن کا فرق تھا۔ پھر اس سے آگے دوسرے صفحہ پر ہے "شش ماہ مدت حمل ست و دو سال مدت رضاع" یعنی امام حسینؓ کی مدتِ حمل چھ ماہ اور مدتِ شیر خوارگی دو سال ہیں" علی ہذا القیاس باقی بچوں کی پیدائش بھی زیرِ نظر رہے تو محسن اگر سقط نہ ہوتا تو تعجب کا مقام ہوتا۔ کیونکہ ایک تو کمسنی کی نزاکت دوسرے پے در پے ولادتِ اطفال کی جانکاہ مصیبت اور تیسرے رسول مقبولؐ کی وفات حسرت آیات کی رُوح فرسا آفت آخر سیدہؓ نہ تو فولاد کا جسم رکھتی تھیں اور نہ سنگِ خارا کا بطن۔ کہ کل وہ اسباب جو فطری طور پر ممدِ اسقاطِ حمل ہوتے ہیں اُن کی ذاتِ باصفات میں مجتمع ہوں اور وہ اُن سے متاثر نہ ہوں وہ متاثر ہوئیں اور اس حد تک کہ بچہ بھی ضائع ہو گیا اور خود بھی صحتیاب نہ ہو سکیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آہ! کیسے نفرت

سند۳ شرح ابن ابی الحدید

تیسری کتاب جس پر صاحب جُبہ و قبہ نے حصر کیا ہے وہ شرح نہج البلاغہ مصنفہ عبدالحمید بن حسین ہبتہ اللہ معروف بہ ابن ابی الحدید۔ ملاہ اللہ بلعنہ من الصدید ہے۔ اس کتاب کے حوالہ سے صرف اسیقدر ثابت ہوتا ہے۔ کہ سیدنا حضرت عمرؓ نے سیدۃ النساءؓ کے مکان کو جلانے کی دھمکی دی تھی اور وہ محض اس غرض سے کہ "علیؓ زبیرؓ اور کچھ آدمی بنی ہاشم کے اس جگہ جمع تھے اور منکرِ بیعتِ صدیق اکبرؓ تھے"۔ فاروق اعظمؓ نے حقیقتاً خاتونِ قیامت کا گھر جلایا یا اسے جلانے کی دھمکی دی۔ یہ الزام ہمارے خلاف اس کتاب کی بناء پر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ابن ابی الحدید سُنی المذہب نہیں ہے رافضی ہے اور ایسا رافضی جیسا کہ مجلسی

---

[1] اُف کس قدر حملہ ہے حضرت علیؓ کی قوتِ صبر و ضبط پر۔ امام حسنؓ کی پیدائش کے دس روز تک بھی صبر نہ کر سکے۔ روافض کے اسی قسم کے قصوں پر ایمان لا کر ان میں سے ایک گروہ حضرت علیؓ کا دشمن بن گیا۔ اور دوسری وجوہات میں سے ایک وجہ بیزاری اس خارجی شیعہ نے حضرت علیؓ کا سیدہ فاطمہؓ کو مدت العمر تنگ رکھنا قرار دیا اور سبائی گروہ کی شرارت کو نہ سمجھا کہ اس کا مقصد ہی صحابہ کرام کو بغض و حُب کی آڑ میں ذلیل کرنا ہے [2] نیز ملاحظہ ہو ملا باقر مجلسی کی کتاب جلاء العیون ترجمہ اُردو ص ۳۴۹۔

[3] آپ پاؤں تک لمبا چوغہ پہنتے ہیں اور سر پر گنبد نما پگڑی باندھتے ہیں تاکہ دیکھنے سے ہی عالم معلوم ہوں۔ گو گفتگو سے عالم نظر نہیں آتے +

بششتری - اگر ہمارے خلاف کسی رافضی ہی کو پیش کرنا تھا تو ما شاء اللہ آپ خود کچھ کم تھے۔ بعض ورقص میں تو آپ اور ابن ابی الحدید دایاں بایاں ہاتھ ہیں۔ اگر فرق ہے۔ تو اول شکل و شباہت ہیں۔ کیونکہ دونوں توام تو ہیں نہیں اور دوسرے علم و فضل میں کیونکہ وہ عالم اور آپ محض عالم زادے۔ ابن ابی الحدید لعبہ باز رافضی تھا اور اس کی وجوہات حسب ذیل ہیں :-

(۱) نہج البلاغہ کہ جس کی شرح ابن ابی الحدید نے لکھی ہے کسی ثقہ عالم سُنی کے نزدیک تصنیف جناب علی المرتضیٰؓ تسلیم شدہ نہیں ہے۔ اگر بطریق تنزل ہم اسے ان کی تصنیف مان بھی لیں تو اس میں بیحد تحریف ہو چکی ہے۔ کلام اللہ جس کی حفاظت خود اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ جب انہیں سعی تحریف کرنے سے یہ فرقہ روافض باز نہیں آیا۔ چنانچہ کافی کتاب الحجۃ جزو سوم حصہ ۲ کا نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ تحریفات سے بھرا ہوا ہے۔ تو کتاب نہج البلاغۃ کو کونسا طرۂ امتیاز لگا ہوا ہے۔ جو وہ اس دستبرد سے محفوظ رہ سکتی۔ اگر ابن ابی الحدید سُنی المذہب تھا تو اُسے روافض ہی کی کتاب شرح لکھنے کے لئے رہ گئی تھی؟ اور اس کی شرح لکھی بھی تو روافض ہی کے طریقہ پر۔

(۲) اہل تسنن کے اعتقادات کے مطابق خلفائے راشدین جس ترتیب سے مسند آرائے خلافت ہوئے تھے اسی ترتیب سے افضل البشر بعد النبی تھے۔ اگر سُنی اس ترتیب تفضیلت کے قائل نہ ہوں بلکہ علی المرتضےٰؓ کو افضل البشر بعد الرسول سمجھتے ہوں تو سُنی اور رافضی کی تمیز بے معنی چیز ہے۔ ابن ابی الحدید اپنی شرح مطبوعہ مصر کے ص۵ پر اپنے اقوال و عقائد کا اس طرح اظہار کرتا ہے "اما الوصیۃ فلا ریب عندنا ان علیاً کان وصی الرسولؐ وان خالف فی ذالک من ھو منسوب بالعناد" یعنی علی المرتضےٰؓ وصی الرسولؐ تھے اور جو شخص اس عقیدہ کا مخالف ہو وہ ہمارا دشمن ہے۔ پھر ص۲۶ پر لکھتا ہے "علیاً کان اولیٰ بالامر علی وجہ الفضیلۃ فانہ افضل البشر بعد رسول اللہؐ واحق بالخلافۃ من جمیع المسلمین" یعنی علی المرتضےٰؓ بسبب اس امر کے کہ وہ افضل البشر بعد النبی تھے اولیٰ بالامر تھے اور جمیع المسلمین سے احق بالخلافت تھے۔ کیا وہ شخص جو خلیفہ چہارم کو وصی الرسول۔ افضل البشر اور احق بالخلافت

سمجھے اور تمامی صحابہؓ کو آپ کا دشمن جانے اُس کے رفض میں بھی کسی شبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے؟

(۳) مرزا محمد باقر موسوی "روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات" مطبوعہ ایران ۱۳۰۶ھ بھی ابن ابی الحدید کو تقیہ باز رافضی ہی تسلیم کرتا ہے +

(۴) یہ شرح ابن ابی الحدید نے خلیفہ مستعصم باللہ کے نمک حرام رافضی وزیر موید الدین ابن العلقمی کے حکم سے لکھی تھی۔ یہ موید الدین صاحب وہی ہیں جنہوں نے بنی عباسیوں کے آخری تاجدار مستعصم باللہ کی اسلامی سلطنت کو محض اس لئے کہ وہ رافضیوں کی سلطنت نہ تھی چنگیز خانی بُت پرستوں کے ہاتھوں تباہ و برباد کروا دیا تھا جس شخص کے بغض و رفض کی یہ حالت ہو کہ وہ مسلمانوں کی قوموں کی قومیں تہ تیغ بیدریغ اور اسلامی سلطنتوں کے ملکوں کے ملک ویران مثل بیابان کرا دے۔ مگر اس کا تعصب پھر بھی ہل من مزید پکارتا چلا جائے کیا اُس دشمنِ اسلام سے یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی اُس کتاب کی شرح جسے اُس کے ہم مذہبوں میں بمنزلۂ قرآن سمجھا جاتا ہے ایک سُنّی عالم سے کرائے؟ ع این خیال است و محال است و جنوں

(۵) صاحب تحفہ باب المکائد کے کید ۲۳ میں اس کو رافضی ہی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے مفصل حوالہ تحفہ سند ۲ میں نقل کیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر جناب جبہ باز صاحب! آپ نے اس رافضی کی سند ہمارے خلاف پیش کی تو اسے بوٹ کی ٹھوکر سے فٹ بال کی طرح آپ کو واپس کر دیا جائیگا۔ کہ کالائے بد بریشِ مالک۔

سند ۴۔ تاریخ ابو الفدا

چوتھی سند جو فرضی "جامع شیعہ لاہور"[1] کے پیش امام نے پیش کی ہے۔ وہ تاریخ ابو الفدا ہے۔ حوالہ تو دیانتداری سے دیا ہے مگر چالاکی ملاحظہ ہو کہ اسی کتاب کی سند کو دو دفعہ پیش کیا ہے۔ ایک دفعہ بزعم خود "ثقہ اور معتمد کتابوں" کی فہرست میں اور دوسری دفعہ "حوالجات" کے زمرہ میں۔ پہلی سند اصل کتاب کا اردو ترجمہ ہے اور دوسری سند خود اصل کتاب ہے۔ کیوں پیش امام صاحب! اگر ایک کتاب کا بیس زبانوں میں ترجمہ ہو جائے تو وہ متخاصم کے خلاف ایک سند ہو گی یا بیس؟ قربان جائیں آپ کے مذہب کے کہ

[1] ملاحظہ ہو سنٹرل امامیہ ایسوسی ایشن لاہور کی کھلی چٹھی بنام بزرگانِ قوم کہ اس وقت تک غریب شیعوں کو کوئی جامع مسجد لاہور میں بنانا نصیب نہیں ہوئی مگر حائری نے مصنوعی جلسہ کے واسطے فرضی جامع تیار کر کے ہزار ادیوں کو لیجا کر جلسہ بھی کر دیا۔ شرم! شرم!!

جو بات دیانتداری سے بھی کرتے ہو اُس میں بھی کئی ایک پہلو بد دیانتی کے مضمر ہوتے ہیں۔ اظہار حقیقت کے ص۵۲ پر تو آپ نے اس سند کو اس طرح لکھا ہے "تاریخ ابو الفدا ترجمہ اردو جلد اول ص۲۷۵" اور پھر ص۷۵ پر یوں تحریر کیا ہے "ملک المؤید عماد الدین ابو الفدا کی تاریخ المختصر اخبار البشر مطبوعہ مصر جلد اول ص۱۵۶" فرمائیے! یہ دو اسناد ہیں یا ایک کیا اب بھی انکار کرو گے کہ آپ کی نیت فریب دہی کی نہیں تھی؟ کیا یہ دروغ بے فروغ اپنے آئمۂ کرامؑ کے تقیہ کی پابندی میں اختیار کیا تھا؟

پیش امام صاحب! اغراضِ بحث کے لئے ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ ایک سند کو دو مختلف نمبروں پر پیش کرنے میں آپ کی نیت فریبِ دہی کی نہیں تھی مگر اس فریب دہی کا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ خواہ مخواہ میاں ابو الفدا صاحب کو آپ نے اہلِ سنت والجماعت کا مورخ تسلیم کر لیا ہے۔ چونکہ آپ ہمارے خلاف الزام ثابت کرنے کے مدعی ہوئے تھے اس لئے بارِ ثبوت آپ کے ذمہ تھا۔ کہ جس کتاب کو شہادت میں پیش کریں اس کے متعلق قطعی ثبوت اس امر کا دیں کہ حقیقتاً وہ ہماری ہی کتاب ہے۔ آپ کا محض یہ لکھ دینا کہ فلاں کتاب فلاں سُنّی مصنف کی لکھی ہوتی ہے دعوےٰ بلا دلیل ہے جس کے ہم کبھی قائل نہیں ہو سکتے اگر متخاصمین میں سے ایک فریق کا ہر الّم غلّم۔ اوٹ پٹانگ دعوےٰ دوسرے فریق کے لئے حجت ہو سکتا ہے تو پھر باہم مخاصمت کیا اور جھگڑا کیسا؟ جو آپ نے اپنی زبانِ ... فشاں سے فرما دیا وہ ہم نے تسلیم کر لیا اور جو ہم نے کہدیا وہ آپ نے مان لیا۔ چلو رخصت ہوئی قصہ طے ہُوا۔ مگر پیش امام صاحب! بحث و مباحثہ میں تو فریق مخالف کی معقول سے معقول بات میں بھی پیچ نکالی جاتی ہے۔ اور جہاں پانی نہ مرتا ہو وہاں بھی سوراخ بنایا جاتا ہے۔ ہم آپ کی ہر ژٹل کو کس طرح آیۂ مصحف فاطمہؓ سمجھ کر سرِ تسلیم خم کر دیں۔ گو آپ کی ابو الفدائی سند کا قانوناً اسیقدر جواب کافی ہے۔ کہ چونکہ آپ نے ابو الفدا کو سُنّی مورخ ثابت کرنے کے بارِ ثبوت سے سبکدوشی حاصل نہیں کی۔ اس لئے ہمارے ذمہ اس کی تردید لازم نہیں ہے۔ لیکن ہم آپ کی ژٹل محض کی بھی مجملاً تردید کئے دیتے ہیں تاکہ آپ کو یہ ناجائز شکایت کرنے کا بھی موقعہ نہ رہے۔ کہ ہمنے آپ کی کوہ کاوی و موش بر آری کی داد نہیں دی۔

ابو الفدا صاحب نہ صرف رافضی ہی ہیں بلکہ کٹر ترین رافضی ہیں۔ اور اسکی

وجوہات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) متاخرین روافض میں سے ملا باقر المجلسی سلطان المتعصبین ہیں۔ انہوں نے روافض کے بغض و رفض و سب و شتم کے بدبودار انباروں پر اس قدر تعفن خیز دشنام کا اضافہ کیا ہے کہ ٹیلوں کو پہاڑ بنا دیا ہے۔ اس نجاست کی بدبو اس قدر تیز ہے کہ اہلِ کتاب تو درکنار اگر کوئی سلیم الطبع بھنگی بھی اس کے پاس سے گذر کرے تو اس کا دماغ پھٹ جائے۔ باوجود اس قدر عالی رافضی ہونے کے ملا صاحب نے پھر بھی نہ صرف خانہ سوزی کے واقعہ میں ہی بلکہ حصولِ بیعت کے لئے حضرت علیؓ پر مفروضہ سختی کرنے کے قصص میں بھی جناب خلیفۂ اول کو قطعاً بے قصور دکھایا ہے۔ چنانچہ جلاء العیون ترجمۂ اردو مطبوعہ لکھنؤ کی جلد اول صفحہ ۱۷۱، ۱۷۲ پر لکھتے ہیں "ابوبکرؓ نے دوسری دفعہ جناب امیرؑ کو بلایا۔ کہ بیعت خلیفۂ رسولِ خدا کریں ..... جب جناب امیرؑ کا یہ پیغام ابوبکرؓ کو پہنچا۔ ابوبکرؓ نے کہا علیؑ ابن ابی طالب نے سچ کہا۔ رسولِ خدا نے مجھے خلیفہ نہیں کہا۔ یہ سن کر عمرؓ خشمناک اٹھ کھڑا ہوا۔ ابوبکرؓ نے مصلحتاً عمرؓ سے کہا۔ کہ تم بیٹھ جاؤ۔ یہ کہہ کر پھر کسی کو جناب امیرؑ کے پاس بھیجا ..... جب یہ پیغام ابوبکرؓ کو پہنچا۔ پھر عمرؓ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ جب تک علیؑ کو قتل نہ کرونگا کام خلافت کا مستحکم و مضبوط نہ ہوگا۔ اے ابوبکرؓ مجھے جانے دو کہ علیؑ کا سر کاٹ کر لے آؤں۔ پھر ابوبکرؓ نے مصلحتاً عمرؓ کو قسم دی کہ تم بیٹھ جاؤ اور پھر کسی سے کہلا بھیجا ..... جب یہ پیغام پہنچا اس وقت ابوبکرؓ و عمرؓ نے جانا کہ جناب امیرؑ ان کی بیعت قبول نہ کریں گے۔ اس وقت عمرؓ نے قنفذ شقی کو کہ آزاد کیا ہوا غلام عمرؓ کا تھا ..... ہمراہ خالد بن ولید و جماعتِ بدبختانِ قوم دروازہ اہلِ بیتِ رسالت و حجرۂ عصمت و طہارت پر بھیجا ..... جناب امیرؑ نے اجازت نہ دی اس وقت یہ بدبخت پھر گئے اور کہا علیؑ گھر میں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ..... یہ سن کر عمرؓ نے ان کو ڈانٹا ..... اس دفعہ عمرؓ بھی ان اشقیاء کے ہمراہ تھا ..... عمرؓ نے جناب فاطمہؑ کے کلام پر بالکل اعتنا نہ کی اور لکڑیاں منگا کر دروازہ جلا دیا۔"

اس کے پڑھنے سے صرف اسی قدر واضح ہوتا ہے کہ ان سب واقعات کو اگر

درست تسلیم کر لیا جائے تو ابتداء سے انتہا تک ان کی ذمہ واری سیدنا حضرت عمرؓ
پر عائد ہوتی ہے۔ اور سیدنا حضرت ابو بکرؓ کا بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی تعلق ان سے
نہیں ہے۔ لیکن ابو الفدا صاحب بغض ورفض میں ملا صاحب سے بھی کئی ہاتھ بڑھے
ہوئے ہیں انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ خلیفۂ اول ان کی دستبرد سے بچ جائیں چنانچہ
انہوں نے لفظوں کا ہیر پھیر اس طریقہ سے کیا ہے کہ دونوں کو یکساں درجہ کا
ملزم بنا دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔
"پھر ابو بکرؓ نے عمرؓ بن الخطاب کو حضرت علیؓ کے پاس بایں ارادہ بھیجا
کہ جو لوگ ان کے ہمراہ اہل بیت میں مع ان کے حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ کے
گھر سے نکال دو اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان کو نکلنے سے کچھ انکار ہو تو بے شک تم
ان سے لڑنا۔ حضرت تھوڑی سی آگ ہی ہاتھ میں لے کر بارادہ گھر کے پھونکنے کے
گئے" (اظہار حقیقت ص ۵۲)

پیش امام صاحب! اگر جھوٹ داموں بکا کرتا تو آپ مدت سے دیوالیہ ہو چکے
ہوتے۔ جھوٹ اور لوگ بھی بولتے ہیں مگر نہ اسقدر صریح کہ قرص آفتاب کو توا اور
توے کو قرص آفتاب ہی کہیں کسی ہلکی قسم کے معتدل رافضی کو سنی کہہ دیا ہوتا تو جادو
چل جاتا۔ مگر آپ نے تو اسیر رافضی کو سنی بتایا ہے جو بڑے بڑے کٹر رافضیوں
کے سر تاج ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎ عیب کردن را ہنرے باید

(۲) تاریخ ابو الفدا طبری کی تاریخ کبیر سے ماخوذ ہے۔ اور طبری کے متعلق علامہ
ذہبی "میزان الاعتدال" میں لکھتے ہیں "ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں"
اسی طرح بعض دیگر محدثین مثلاً سلیمان وغیرہ نے ان کی نسبت لکھا ہے۔ کہ یہ شیعوں
کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ جب ابو الفدا خود شیعہ ہے۔ اور اس کا ماخذ یعنی
طبری بھی مائل بہ تشیع ہو تو نتیجہ معلوم۔ جو کچھ بھی وہ ہمارے خلاف لکھے کم ہے۔
(۳) ابن عبد الخبیر مراکشی اپنی کتاب تحقیق المبین فی العقائد المصنفین مطبوعہ
استنبول کی جلد ۱ ص ۹۶ پر ابو الفدا کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ "پردہ تقیہ میں یعنی بڑا
محتاط شیعہ ہے۔ اپنے تشیع کو عموماً چھپائے رکھتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہ پھوٹ نکلتا
ہے تو انتہائے تعصب ظاہر کرتا ہے"

سند ۵ - الفاروق

"اظہار حقیقت" میں پانچویں "سند گورنمنٹی تحمیدہ گو"[1] نے مولانا شبلی کی کتاب الفاروق کے حوالہ سے پیش کی ہے۔ اس سند کو علامہ شبلی نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ روایتاً ہے اور دوسرا حصہ درایتاً۔ چنانچہ ہم پہلے حصہ اول پر بحث کرینگے۔ علامہ موصوف نے اس روایت کو مصنف ابن ابی شیبہ اور تاریخ کبیر طبری سے نقل کیا ہے مصنف تو ہمیں کہیں سے دستیاب نہیں ہوسکی البتہ تاریخ کبیر کو مطالعہ کرنے کا اتفاق ضرور ہوا ہے۔ تاریخ کبیر میں اس روایت کو اس طرح شروع کیا ہے "حدثنا ابن حمید قال حدثنا هدید عن مغیرہ عن زیادہ بن کلب قال اتی عمر بن الخطاب منزل علی وفیه طلحة و زبیر و رجال من المهاجرین الخ علامہ موصوف نے الفاروق میں راویوں کے متعلق تحقیق و تنقید نہیں فرمائی۔ صرف اسی قدر لکھ کر کہ "سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کرسکتے۔ کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہمکو معلوم نہیں ہوسکا" حصہ درایت پر اپنی توجہ زیادہ تر مبذول فرمائی ہے۔ اس روایت کے راویوں کی تنقید ہم سند ۶ میں کرینگے۔ کیونکہ وہاں اس کا حوالہ علیحدہ دیا ہوا ہے اور اس جگہ تو صرف ایک دوسرے حوالہ کے ضمن میں اس کا ذکر آگیا ہے۔ سند ۶ کے پڑھنے سے ہر شخص پر روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائیگا۔ کہ یقیناً اس روایت کے راوی ایسے نہیں ہیں جن پر اعتبار کیا جاسکے۔ کیونکہ ان میں کوئی ضعیف ہے تو کوئی وضاع۔ کوئی کذاب ہے تو کوئی رافضی۔ ایسے بد اعتقاد اشخاص ہمیشہ تقیہ کے پردہ میں اسلام کی تخریب کرتے رہے ہیں اور اب تک کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارے سادہ لوح ایماندار مصنفین مطابق اس فرمان واجب الاذعان کے کہ ظنّ المومنین خیرا ان منافقین مومن نما کو مسلمان تصور کرکے ان کی روایات پر

---

[1] جب سے آپ کے فرزند رشید نے ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات کا ثبوت دیا ہے اور آپ کو اس کی ملازمت کی فکر دامنگیر ہوئی ہے۔ آپ اپنی مطبوعہ تقاریر کے خاتمہ پر گورنمنٹ کی ثناخوانی میں چند ایک سطور کا اضافہ کردیا کرتے ہیں۔ گو زبانی تقریر کے خاتمہ پر کبھی دعائے خیر بھی نہیں کہی۔

اعتبار کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری بعض نہایت ہی مستند کتب تاریخ میں
بھی کہیں کہیں ان گندم نما جو فروشوں کی بدمعاشیوں کے آثار پائے جاتے ہیں

سیدنا حضرت عمرؓ کے متعلق روافض کا اجتماع نقیضین

اس سند کا دوسرا حصہ درایتاً ہے اور اسے علامہ نے اس طرح لکھا ہے "تاہم درایت
کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں" بالفاظ دیگر اس کا یہ مطلب ہے۔
کہ عقلاً یہ امر درست معلوم ہوتا ہے۔ علامہ نے سیدنا حضرت عمرؓ کی شجاعت۔ تہور۔ دور
اندیشی و سیاست دانی وغیرہ کے صغرے و کبرے کو قائم کرکے عقلاً یہ نتیجہ اخذ
کیا ہے کہ ان سے ایسے فعل کا سرزد ہوجانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ اگر اس صغرے
و کبرے کو درست تسلیم نہ کیا جائے تو جو نتیجہ ان کو درست تسلیم کرکے اخذ کیا گیا ہے۔
وہ بھی درست تسلیم نہیں ہونا چاہئے۔ اب روافض یہی اس امر کا فیصلہ کریں۔ آیا
وہ اس صغرے و کبرے کو صحیح ماننا چاہتے ہیں یا ان سے اخذ کئے ہوئے نتیجہ کو
درست تسلیم کرنا پسند کرتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے اور زمانہ اس کا شاہد ہے کہ غصہ بڑا
عقلمند ہوتا ہے۔ یہ اپنا تختہ مشق ہمیشہ مقابلۃً کمزور اور ذلیل ہستی کو بنایا کرتا ہے
خواہ یہ کمزور ہستی انفرادی ہو یا اجماعی۔ ایک شخص واحد ہو یا قوم کی قوم۔ لیکن اس
کے برعکس اگر معاملہ اپنے سے زبردست سے آپڑے تو اول تو غصہ دل میں پیدا ہی
نہیں ہوتا اور اگر پیدا ہو بھی جائے تو زنانہ غصہ کی طرح اس کے جوش کا اظہار زبان
سے ہوتا ہے نہ کہ ہاتھ سے۔ گالی گلوچ سے کام لیا جاتا ہے نہ کہ زور بازو سے۔
سیاسیات حاضرہ سے دونوں قسم کی مثالیں روز روشن کی طرح واضح نظر آرہی ہیں جن کا بیان کرنا
تحصیل حاصل ہے۔ سرداران بنو ہاشم و بنو امیہ گھر میں موجود ہوں اور سیدنا حضرت عمرؓ
اور قنفذ غلام شیر خدا کو گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتے گھسیٹتے دربار خلیفہ کو لے چلیں
مگر نہ تو شیر ہی بپھرتا ہے اور نہ ہی بنی امیہ و بنی ہاشم کی شمشیریں نیام سے نکلتی ہیں
اگر شیر کا سکوت کسی مصلحت کی وجہ سے تھا تو اموی و ہاشمی تلواروں کو کس کے سحر نے
بند کیا ہوا تھا کہ وہ ذلت کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے مگر ٹس سے مس نہ ہوئے
کیا اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے غیظ و غضب نے بڑے بڑے شجاعان عرب

کی سرگرمیوں پر اس طرح ژالہ باری کی ہو کہ انہیں مجالِ دم زدن باقی نہ رہی ہو وہ ضرور اُن سے قوی تر و شجاع تر تھا۔ اگر روافض بھی سیدنا حضرت عمرؓ کی ہیبت ناک شجاعت کو اُسی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں کہ جس سے علامہ شبلی نے دیکھ کر دراییتاً تہدید احراقِ بابِ فاطمہؓ کو درست تسلیم کیا ہے تب تو خلیفۂ ثانی کی زندگی اور اس واقعہ میں تطبیق عقلاً پائی جاتی ہے لیکن روافض نے جناب فاروقؓ کی زندگی کا جو مرقع کھینچا ہے اس میں اور اس واقعہ میں اتنی بھی تطبیق عقلی نہیں ہے کہ خُردسال بچے جو کہانیوں میں ایک چڑیا کا ہاتھی کو لے کر اُڑ جانا بلا چون و چرا مان لیتے ہیں۔ وہ بھی ایسے شخص سے اس واقعہ کے وقوع کے امکان کو تسلیم کرتے ہوئے تامل کرینگے۔

روافض کی کتبِ حدیث و سیر میں جا بجا مرقوم ہے کہ توبہ نعوذ باللہ سیدنا حضرت عمرؓ ایسے بُزدل تھے کہ کئی ایک غزوات سے بھاگ گئے اور جہاں فرار نہیں کیا وہاں ان کے ہاتھ سے ایک بھی کافر قتل نہیں ہوا۔ یہ تو آپ رزمیہ زندگی کا مرقع ہے۔ اب ذرا عامہ زندگی کی تصویر بھی ملاحظہ فرمایئے کہ یہاں آکر بدزبان قلم نے کیسی کیسی گل فشانیاں کی ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ جناب علی المرتضےٰؓ کا اس قدر خوف آپ پر طاری رہتا تھا۔ کہ جہاں ان کو دیکھ پاتے فوراً آپ کے جسم مبارک میں رعشہ شروع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حیات القلوب جلد ۲ میں لکھا ہے" واز ابو وائلہ روایت کردہ است کہ گفت روزے بہ عمرؓ ابن الخطاب براہے میرفتم ناگاہ اضطرابے درو یافتم وصدا از سینۂ او شنیدم مانند کسے کہ از ترس مدہوش شود۔ گفتم چہ میشود ترا اے عمرؓ گفت مگر نمے بینی شیر بیشۂ شجاعت و معدنِ کرم و فتوت را و کشندۂ طاغیان و باغیان و زنندۂ بدو شمشیر و علمدار و صاحب تدبیر را چوں نظر کردم علیؓ ابن ابی طالب را دیدم گفتم اے عمرؓ ایں ابن ابی طالب است۔ گفت نزدیک من بیاتا کہ شمہ از شجاعت و دلیری و بسالتِ او بیان کنم"۔

اگر فاروق اعظمؓ کی بُزدلی کے یہ سب قصے درست ہیں۔ تو ان سے لازماً یہ نتیجہ نکلیگا۔ کہ ایسے بُزدل سے اس قدر شجاعانہ فعل کا ارتکاب۔ کہ سردارانِ بنوہاشم و بنوامیہ کی تلواروں کے سایہ تلے سے شیر خدا کو گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹ لیا۔ درایت کے اعتبار سے بالکل ناقابل تسلیم ہے"۔ اب روافض ہی اس بات کا فیصلہ کریں آیا وہ ان قصص جبن و بزدلی کو صحیح ماننا چاہتے ہیں یا اُن سے اخذ کئے ہوئے نتیجہ کو درست تسلیم کرنا پسند

کرتے ہیں۔ اگر روافض ذرہ برابر غور کریں تو ان کو ان دو حالتوں سے مفر نہیں ہے۔ کہ یا تو سیدنا حضرت عمرؓ کی بزدلی کے قصے الف لیلیٰ کی فرضی کہانیاں ہیں یا احراقِ بابِ فاطمہؓ کا واقعہ معہ اپنے متعلقات کے محض افتراء و بہتان ہے ان ہر دو امور کو جناب فاروق اعظم کی ذات والا صفات میں جمع کرنے سے اجتماع نقیضین واقع ہوتا ہے جو صریحاً محال عقلی ہے۔

جس طرح علامہ شبلی کو سیدنا حضرت عمرؓ کی شجاعانہ زندگی کے واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے درایتاً تہدید احراق بابِ فاطمہؓ سے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اگر سیدنا حضرت علیؓ کی بہادرانہ زندگی کے بے شمار واقعاتِ شجاعت کو کہ جن میں سے بقول روافض فتح خیبر۔ قتل جنات وغیرہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں مدنظر رکھیں تو سیدنا حضرت عمرؓ کی تہدیدِ احراقِ خانہ اور شیر خدا کی تذلیل بزدلانہ ایسے لغو امور ہیں کہ درایتاً انہیں درست تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور حضرت علیؓ کی اسد اللٰہی سے ایسی بے حمیت و بزدلانہ حرکت بعید از قیاس ہے۔

حضرت علیؓ کیلئے آسمانی وصیت نامہ

کوتاہ اندیش متقدمین روافض نے جب دیکھا کہ جناب امیرؓ کی ذات ستودہ صفات میں ان متضاد امور کا جمع کرنا اجتماعِ نقیضین کا حکم رکھتا ہے جو امکانِ عقلی کے خلاف ہے تو ان کی وضاعی فطرت نے فوراً آسمانی وصیت نامہ کا قصہ وضع کر لیا۔ چنانچہ بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ وصیت نامہ سربمہر جبرئیلؑ دربارِ صمدیت سے بہ درگاہِ رسالت لائے تھے۔ جس میں آئمہ کرام میں سے ہر ایک کے متعلق اس کے حقوق و فرائض کا دستور العمل علیحدہ علیحدہ مختوم تھا۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ کے جزء سوئم کے اکسٹھویں باب میں پہلی حدیث اس وصیت نامہ کے متعلق حسب ذیل ہے:-

(۱) ان الوصیۃ نزلت من السمآء علی محمدؐ کتاباً لم ینزل علی محمدؐ کتاباً مختوماً الا الوصیۃ فقال جبرائیلؑ یا محمدؐ هذه وصیتک فی امتک عند اهل البیت فقال رسول ای اهل بیتی یا جبرئیل

قال نجیب اللہ منہم و ذریتہٗ ..... و کان علیہا خواتیم قال ففتح علیؑ الخاتم الاول و مضیٰ لما فیہا" اس حدیث کی شرح ملا خلیل قزوینی شرح صافی میں اس طرح کرتا ہے " بدرستیکہ وصیت نامہ رسولؐ نازل شد از آسمان بر محمدؐ حالیکہ مکتوب بود۔ نازل نشد بر محمدؐ مکتوبے مہر کردہ شدہ مگر وصیت نامہ پس گفت جبرئیلؑ اے محمد وصیت نامہ تو است برائے امت تو نزد اہلِ بیت تو۔ پس گفت رسولؐ نزد کدام از اہلِ بیت من اے جبرائیلؑ گفت نزد او کہ نزد اللہ تعالےٰ نجیب است و ذریت او ..... و بود بر آں وصیت نامہ دوازدہ آلت مہر کردن امام گفت (یعنی امام جعفر گفت کہ راوی ایں حدیث است) پس کشود علیؑ بعد از رسولؐ آلت مہر اول را و رفت براں راہ کہ دراں نوشتہ شدہ بود تا آخر عمر خود" یعنی وصیت نامہ کتاب کی صورت میں سربمہر آسمان سے رسول کریمؐ پر نازل ہوا تھا۔ اور جبرئیل نے کہا تھا کہ اے خاتم النبیین امت کے متعلق یہ آپ کا وصیت نامہ ہے جو آپ کی اہل بیت کے پاس رہیگا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے کس کے پاس رہے گا؟ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس کے پاس رہیگا کہ جو اللہ کے نزدیک نجیب ہے اور نیز اس کی اولاد کے پاس رہیگا ..... اور اس وصیت نامہ پر بارہ مہریں تھیں جن میں سے جناب علیؑ نے پہلی مہر کھولی اور اُس راہ پہ تا آخر عمر چلتے رہے جس کے متعلق ان کو ہدایات تحریر شدہ وصیت نامہ میں ملی تھیں" اس حدیث میں تو نزول وصیت نامہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی وصیت کا بیان ہے و ھو ھذا۔

" و کان فیما اشترط علیہ النبی بامر جبریلؑ فیما امر اللہ تعالیٰ قال لہ علی قفی بما فیہا من موالات من والی اللہ و رسولہ والبراء والعداوت لمن عادی اللہ و رسولہ والبراءۃ منہم علی الصبر منک علی العظیم الغیظ و علی ذھاب حقک و غصب خمسک و انتھاک حرمتک قال نعم یا رسول اللہ تعؐ "

اس کی شرح ملا صاحب موصوف اپنی صافی میں بایں الفاظ کرتے ہیں " و بود از جملہ آنچہ شرط کرد بر علیؑ نبی صلعم بامر جبرئیل علیہ السلام در چیز ہائے کہ امر کردہ بود اللہ عزوجل اینکہ گفت او را اے علیؑ وفا میکن بآنچہ در وصیت نامہ است از آمد و دوستی

کسے است کہ دوست داشتہ اللہ تعالےٰ و رسول اورا ونیز او دشمنی براے جمع است
کہ دشمن داشتہ اللہ تعالےٰ و رسول اورا ونیز آں جماعت بر پنج چیز است فروبردن
خشم از تو فروبردن خشم در بر رفتن حق خلافت تو وغصب خمس تو و دریدن پردہ تو اشارت
است بدامادی عمرؓ۔ پس گفت آرے اے رسول اللہ صلعم" قریباً قریباً اسی مضمون کی
ایک دوسری حدیث اس سے آگے ہے۔ چونکہ وہ زیادہ مشرح ہے۔ اس لئے اُس کا
خلاصہ اُردو میں لکھا جائیگا۔ حدیث کی عربی عبارت اس طرح پر درج ہے :-

"فقال امیر المومنینؑ ..... لقد سمعت جبرئیلؑ تقول للنبی یا محمدؐ
عرفہ انہ ینتہک الحرمۃ وھی حرمت اللہ و حرمتہ رسول اللہؐ
وعلی ان یخضب لحیتہ من راسہ بدم عبیط قالؑ امیر المومنینؑ
فصعقت حین فہمت الکلمۃ من الامین جبرئیلؑ حتی سقطت علی
وجہہ فقلت نعم و رضیت وان انتہکت الحرمۃ وعطلت
السنن ومزق الکتاب وھدمت الکعبۃ وخضبت لحیتی من
راسی بدمٍ عبیط صابراً محتسباً ابداً حتی اقدم علیک"

اس حدیث کی شرح صاحب صافی یوں کرتا ہے" پس گفت امیر المومنینؑ .....
کہ ہر آئینہ شنیدم از جبرائیل کہ برائے تکرار آنچہ رسول گفتہ بمن درباب پردہ دری میگفت
نبیؐ را اے محمدؐ بشناس اورا کہ دریدہ مے شود پردہ و آں پردہ اللہ صلعم و پردہ رسول
اوست وآں بالاسے آں است کہ رنگ کردہ شود محاسن او از جانب سرش بخون
خالص پس بغایت مضطرب شدم و قلیلہ فکر کردم و فہمیدم آں سخن را از جبرائیل
امینؑ کہ مراد شکستن عہد نیست بلکہ مراد غصب دختر من است کہ بزور خواہند گرفت
اشارت است بغصب عمرؓ ام کلثوم فاطمہؓ تا آنکہ افتادم بروئے خود گفتم آرے

؎ سرکاری مہمان صاحب و دیگر حضرات روافض! کیا امام زمان کی مصدقہ کتاب کافی
پڑھ کر بھی کہوگے۔ کہ جو حضرت عمرؓ کے نکاح میں ام کلثومؓ تھی۔ وہ حضرت فاطمہؓ کے
بطن سے نہ تھی۔ بلکہ وہ جنی ہمشکل ام کلثومؓ تھی یا محمد بن ابی بکرؓ کی بیٹی تھی۔ یہ مان لیا
کہ آپ کے مذہب میں تقیہ (جھوٹ) کا بہت ثواب ہے۔ مگر بدیہات کو کہاں تک
چھپاتے جاؤگے ✧

قبول کردم وراضی شدم ہرچند کہ دریدہ شود پردہ ومعطل شود طریقہائے خدا ورسول ؐ وپارہ پارہ کردہ شود احکام قرآن وخراب کردہ شود کعبہ ورنگ کردہ شود محاسن من از جانب سر من بخونِ خالص بر حالیکہ صبر کنندہ باشم حساب آنرا بقیامت اندازندہ باشم تا وقتیکہ وارد شوم بر تو تا روز مرگ یا در روز قیامت"۔ یعنی جناب امیرؓ نے کہا کہ تحقیق میں نے جبرئیل کو رسول کریمؐ سے یہ کہتے سنا۔ کہ اے محمدؐ پہنچادے اس کو (یعنی علیؓ کو) کہ اُس کی پردہ دری ہوگی اور وہ اس کے زخم سر سے زیادہ شدید ہوگی۔ جب میں نے جبرئیل سے یہ سُنا اور اس پر غور و فکر کیا تو میں بہت ہی مضطرب ہوا۔ اس جگہ پردہ دری سے مراد میری بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہؑ کے زبردستی چھینے جانے سے ہے۔ یہاں تک کہ میں مُنہ کے بل گر پڑا اور کہا کہ میں نے قبول کیا اور میں راضی ہوا خواہ میری پردہ دری ہو یا سنت خدا، رسول معطل ہو یا قرآن ٹکڑے ٹکڑے ہو یا خانۂ کعبہ منہدم ہو یا سر کے زخم سے میرا چہرہ رنگین ہو تا دمِ مرگ صبر کروں گا اور اس پر قائم رہونگا"۔

متقدمین روافض نے جناب علی المرتضےٰؓ کی ذات با صفات میں محولہ بالا اجتماع نقیضین کے اعتراض کو رفع کرنے کی خاطر روایتِ وصیت مذکورہ بالا اختراع کی تھی سچ ہے انسان جب ایک جھوٹ بولتا ہے تو اُس ایک جھوٹ کو نبھانے کے لیئے اُسے دس اور جھوٹ اختراع کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن مدعا پھر بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ دُور بین نگاہ جھوٹ کے ملمع کو فوراً تاڑ جاتی ہے۔ اہل بیت عظامؑ اور خلفائے کرامؓ کے درمیان عداوت ثابت کرنے کے لئے اُن کو ایک طرف تو مقدم الذکر کی مظلومیت

لہ یہ ہے روافض کا اپنے خدائی کے مالک امام کی نسبت بیان۔ بخدا جس قدر ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی ہتکِ عزت کی ہے کبھی کسی خارجی نے بھی نہ کی ہوگی۔ جامعِ احادیث آئمہ کلینی نے اس وصیت نامے سے نہ صرف شیر خدا کو آڑے ہاتھوں لیا ہے بلکہ خدائے قدیر کی بھی طاقت وجبروت کا خاکہ اُڑایا ہے۔ واہ! کیا ہی اچھی خدائی ہے جسے وصی نبیؐ بنا کر خلقت کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اسی کو ہدایت ہو رہی ہے۔ کہ خواہ کس قدر فسق و فجور اور ظلم وستم پھیل جائے تم ٹس سے مس نہ ہونا۔ العجب ثم العجب!

کی داستانیں اور دوسری طرف موخرانہ کرکے مظالم کے قصے تراشنے پڑے چونکہ آئمہ کرام کی زبانی خلفائے عظام کی تعریف و توصیف کی بہت سی روایات زبان زدِ خلائق تھیں جن کے وجود کو محو کرنا ان کے حیطۂ اختیار سے باہر تھا۔ اس لئے ان کے اثر کو زائل کرنے کے لئے تقیہ کا اخلاق سوز مسئلہ وضع کرکے ان روایات کو بربنائے تقیہ قرار دیا۔ ساتھ ہی چونکہ آئمۂ اہل بیت کی مظلومیت کے قصوں سے انکی شجاعت وحمیت پر بزدلی و بے غیرتی کا نہ دُھلنے والا داغ لگتا تھا۔ اس لئے اس داغ کو دھونے کے لئے آسمانی وصیت کے جھوٹ کا صابن تیار کیا۔ اور اس سے ثابت یہ کرنے کی کوشش کی کہ آئمہ کرامؓ تھے تو بڑے ہی شجاع اور بڑے ہی باغیرت مگر خداوند تعالےٰ کی وصیت کے مطابق انہوں نے ہر ایک حملہ کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ خواہ وہ حملہ کیسا ہی صبر شکن اور غیرت دلانے والا تھا۔ اسی طرح یہ دروغ باف جھوٹ پر جھوٹ تراشتے چلے گئے ہیں۔ مگر حالت بھی ساتھ کی ساتھ بد سے بدتر ہوتی چلی گئی ہے۔

حضرات روافض نے جھوٹ تراشے تو بہت مگر بقول "دروغگو را حافظہ نباشد" کسی ایک جھوٹ کو بھی اخیر تک کامیابی کے ساتھ نبھا نہ سکے۔ واقعہ زیر بحث میں وصیت آسمانی کے جھوٹ کو نبھانے کے لئے سیدنا حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا سے وہ وہ ذلتیں برداشت کروائی ہیں کہ الامان! کہیں وہ اپنی آنکھوں سے اپنا گھر جلتا دیکھ رہے ہیں اور کہیں اپنی عورت کا حمل گرتا کہیں غصب فدک و خلافت ہو رہا ہے اور کہیں غصب خمس و امامت کہیں گلے میں رسی پڑی ہوئی ہے اور گھسیٹے چلے جا رہے ہیں اور کہیں دربارِ خلافت میں ان پر طعن کئے جا رہے ہیں مگر زبان بند ہے اور لب دوختہ۔ مگر دوسری جگہ شیر یکدم چونک اُٹھتا ہے اور ایسا بپھرتا ہے کہ حضرت عباسؓ کے میزاب کے معاملہ میں تلوار نیام سے نکلتی ہے اور اس زور سے کہ فاروق اعظم رضؓ سہم جاتے ہیں۔ کوئی روافض سے پوچھے کہ شیر خدا کو وصیت تو یہ تھی کہ دختر چھن جائے۔ اسلام تباہ ہو جائے۔ خانہ کعبہ گر جائے۔ خود شہید ہو جائیں۔ مگر ہاتھ نہ اُٹھے کیا ناموس میزاب عباسؓ۔ ناموس فاطمہؓ۔ ناموس اسلام۔ ناموس خانہ کعبہ اور ناموس امامت بلافصل سے زیادہ اہم تھی جو یہاں تو ناموس ریزی پر بھی زبان نہ ہلی اور وہاں پرنالہ بند کر لینے پر تلوار نکل آئی!!

دہلی دربار کے سرکاری مہمان صاحب! یہ سب رافضی سند گان دروغ باف کی افتراء پردازیاں ہیں۔ نہ تو خلفائے عظام و آئمہ کرام کے درمیان عداوت تھی۔ نہ کسی نے کسی کا حق غصب کیا تھا نہ کسی کی خانہ سوزی ہوئی تھی نہ کسی نے اسقاطِ حمل کیا تھا نہ کوئی رسن در گلو گھسیٹا گیا تھا اور نہ ہی کسی کو غیرت کش ذلت برداشت کرنے کی وصیت آسمان سے نازل ہوئی تھی۔ یہ سب قصے کہانیاں محالات عقل ہیں۔ ان کے گورکھ دھندوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی راہِ مستقیم ہے اور وہ یہ کہ آپ صدق دل سے صحابہ کرام کے متعلق بہ ارشاد قرآن شریف اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ پر ایمان لے آئیں اور حضرت علیؓ کو ہمیشہ مغلوب و مقہور صحابہؓ بنا کر ان کو تقیہ کی آڑ میں تبراء کہیں۔ اصحاب نبیؐ کی شدت تو کافروں کیلئے تھی حضرت علیؓ تو خالص مومن تھے۔ وہ کس طرح مقہور ہو سکتے تھے۔ سرکاری مہمان صاحب! حضرت علیؓ کو رحماء بینہم کے زمرہ سے خارج کر کے اپنے خارجی یا محبِ مفرط ہونے کا ثبوت [illegible] دیں۔

علامہ شبلی کی جو سند آپ نے پیش کی ہے وہ کسی طرح بھی آپ کے مفید مطلب نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس واقعہ زیر بحث کی صحت کو کہیں بھی تسلیم نہیں کیا۔ جو کچھ انہوں نے تسلیم کیا ہے وہ صرف بطور امکان عقلی کے اس لحاظ سے کیا ہے۔ کہ چونکہ سیدنا حضرت عمرؓ جوشیلے صاحب تدبیر تھے اس لئے بعید از قیاس نہیں کہ انہوں نے گھر جلانے کی دھمکی دی ہو۔ سوال تو یہ ہے کہ آیا یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے یا نہیں اور حل اس کا اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کا ظہور پذیر ہونا بعید از قیاس نہیں۔ اگر واقعات کی واقعیت کا فیصلہ قیاس کے معیار کے مطابق اسی طرح کیا جائے۔ تو بڑے بڑے خطرناک نتائج پیدا ہونگے۔ کل کو اگر ایک شخص بطور واقعہ کے ہمارے پاس آکر یہ بیان کرے کہ سرکاری مہمان صاحب نے فلاں دن فلاں وقت فلاں جگہ اور فلاں فلاں شخص کے روبرو جھوٹ بولا تھا۔ تو تحقیق واقعہ کے لئے ہمیں اس امر کی ضرورت ہوگی کہ ہم یہ دریافت کریں آیا فی الواقعہ ایسا ہوا ہے یا نہیں نہ یہ کہ ہم محض اس لئے کہ چونکہ

لے دیکھو سنٹرل امامیہ ایسوسی ایشن کی کھلی چٹھی جس میں درج ہے کہ حائری مفتی نے گواہی لے لئے گئے تو کہدیا کہ میں دہلی دربار میں سرکاری مہمان تھا۔ حالانکہ وہ سرکاری مہمان نہ تھے۔ تقیہ! تقیہ!!

ایک دفعہ بروئے مطبوعہ کھلی چٹھی لاہور سنٹرل امامیہ ایسوسی ایشن بنام بزرگان قوم بوشتہ سراج بیگم بعدالت منصف صاحب لاہور اور دوسری دفعہ بروئے گشتی چٹھی بنام شیعیان ہند (جسکی نقل رسالہ اظہار حقیقت کے ص۲۲ پر طبع کی جا چکی ہے) سرکاری مہمان صاحب نے جھوٹ بولا تھا۔ اس لئے "درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں سرکاری مہمان صاحب کی کذب پسندی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں"! کیوں سرکاری مہمان صاحب آپ ہماری اس قسم کی تحقیقات اور اس کے نتائج سے رضا مند ہونگے۔ اور کیا الزام دروغگوئی کو ثابت کرنے کے لئے اس قسم کی سند آپ کے خلاف معقولیت سے پیش کی جا سکتی ہے؟ اگر اس قسم کی سند قابل پذیرائی ہو تو دنیا کا کوئی جرم ایسا نہیں ہے جو آپ کے خلاف کامیابی کے ساتھ اغلاقاً ثابت نہ کیا جا سکے۔ اور اس کا ضابطہ یہ ہوگا۔ کہ الزام جرم آپ کے خلاف پیش کر کے آپ سے اقرار یا انکار جرم کی نسبت استفسار کریں۔ اگر آپ انکار کریں تو انکار درایتاً محمول بر دروغ کر کے آپ کو مجرم قرار دیدیں۔ سرکاری مہمان صاحب! جب آپ کو اپنے خلاف اس قسم کی تحقیق واقعہ باعتبار درایت اس قسم کی سند باعتبار درایت اور اس قسم کا ضابطہ اثبات جرم باعتبار درایت پسند نہیں ہے تو دوسروں کے خلاف کیوں پسند کرتے ہیں؟ یاد رکھو! "آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں ہم پسند"۔

سند ۶۔ کتاب الامامت والسیاست

حجۃ الاسلام[1] نے چھٹی سند ابن قتیبہ کی کتاب الامامت کے حوالہ سے تحریر کی ہے یہ سند بھی ہمارے خلاف الزاماً پیش نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ ابن قتیبہ سُنی نہیں بلکہ رافضی ہیں اور اس کی وجوہات حسب ذیل ہیں:-

(۱) صاحب تحفہ کید بست وسوم میں فرماتے ہیں "آنکہ شخصے را از علمائے زیدیہ و بعضے فرق شیعہ غیر امامیہ اثنا عشریہ نام برند و اول در حال او مبالغہ نمایند کہ وے از متعصبان

[1] حائری کے خود ساختہ القاب و خطابات میں سے ایک "حجۃ الاسلام" بھی ہے۔ انکی اس روش کے خلاف لاہور کے ڈیڑھ سو لکھے پڑھے شیعوں نے ایک ۴۸ صفحہ کا رسالہ برہان حق شائع کیا جس میں آپ کو بالکل بے سواد اور کم علم ثابت کیا ہے۔ مگر آپنے القاب بڑھانے کی عادت ابھی تک نہیں چھوڑی۔